تنزیل و تاویل

سورۂ فاتحہ

(۲)

(از جناب مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی)

إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ

ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں

(۱) انتہائی عظمت و جلال کی وجہ سے انتہائی تذلل اختیار کرنا عبادت کہلاتا ہے اس وجہ سے کہ عبادت اختیاری تذلل کا نام ہے۔ فقہاء کرام نے عبادت کے لیے نیت و ارادہ کا ہونا بالاجماع شرط قرار دیا ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کمال محبت کے ساتھ کمال خضوع اور غایت انقیاد و اطاعت کا نام عبادت ہے۔ کمال محبت کے یہ معنی ہیں کہ قلب اُس رب العالمین کی محبت سے لبریز ہو اُس کی محبت نے باقی تمام محبتوں کو قلب سے منسوخ کردیا قلب میں اس کے سوا کسی کی محبت کے لئے گنجائش نہ رہے۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِّن قَلْبَیْنِ فِی جَوْفِہٖ اللہ نے کسی شخص کے سینہ میں دو دل نہیں رکھے ہیں۔

قلب میں جس قدر غیر اللہ کی محبت آتی ہے اسی قدر وہ اللہ کی محبت سے خالی ہوجاتا ہے، جیسے برتن میں جب کوئی دوسری شئی داخل کی جاتی ہے تو اسی قدر وہ پہلی چیز سے خالی ہوجاتا ہے۔ اور کمال خضوع اور غایت اطاعت کے یہ معنی ہیں کہ اپنی تمام خواہشوں اور ارادوں کو اسکی رضا میں فنا کردے۔

اِیَّاکَ جو نَعْبُدُ کا مفعول ہے، اس کی تقدیم حصر کے لیے ہے، یعنی خاص تیری ہی بندگی کرتے ہیں کسی اور کی نہیں۔ نیز اس تقدیم میں یہ اشارہ ہے کہ عبادت کرنے والے کی نظر صرف معبود حقیقی اور خاص اس ذوالجلال والاکرام پر ہونی چاہیے۔ اپنی عبادت پر نہ ہو۔ سادات صوفیہ اور ارباب طریقت کے نزدیک اصل عبادت وہی ہے جو محض اُس ذوالجلال والاکرام کے لیے ہو۔ کسی رغبت یا رہبت کی بنا پر نہ ہو۔ عبادت سے فقط اس کی رضا اور خوشنودی مقصود و مطلوب ہے ؎

خلاف طریقت بود کاولیا　　　تمنا کنند از خدا جز خدا

گر از دوست چشمت بر احسان اوست　　　تو در بند خویشی نہ در بند دوست

اَعْبُدُ (میں بندگی کرتا ہوں) کے بجائے نَعْبُدُ۔ (ہم سب بندگی کرتے ہیں) لانے میں التزام جماعت کی طرف اشارہ ہے۔ نیز یہ بھی کہ اگر نفس کو اپنی اس عبادت پر، جو کہ محض اُسی کی توفیق اور اعانت سے کی ہے کسی قسم کا عجب پیدا ہو تو اس کے لیے تنبیہ ہے کہ بندگی کرنے والا صرف میں ہی نہیں ہوں، بلکہ بیشمار بندگی کرنے والوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔

(۲) چونکہ ابتداء سورت میں حمد و ثنا تھی، اس لیے اس کا ذکر غائبانہ انداز میں کیا گیا۔ کیونکہ محبوب کی یاد اور اس کا تذکرہ غائبانہ ہی ہوا کرتا ہے اور غیاب ہی میں یاد کرنا اخلاص کی علامت ہے۔ بخلاف اس کے عبادت کا حاصل چونکہ خدمت اور تعظیم ہے اور وہ حضوری ہی میں زیادہ مکمل ہوتی ہے، اس لیے حمد و ثنا کے غائبانہ طرز کلام کو چھوڑ کر اِیَّاکَ نَعْبُدُ الخ میں مخاطبانہ اور حاضرانہ طرز کلام اختیار کیا گیا۔

اِیَّاکَ نَعْبُدُ میں فرقہ جبریہ کے رد کی طرف بھی اشارہ ہے۔ جبریہ بندے کو جماد کی طرح مجبور محض بتلاتے ہیں اِیَّاکَ نَعْبُدُ سے اس کا رد ہو جاتا ہے کیونکہ عبادت کے معنی اختیاری تذلل کے ہیں۔

اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں فرقہ معتزلہ کے رد کی طرف اشارہ ہے ارباب اعتزال بندے کو اپنے افعال کا خالق اور فاعل مستقل قرار دیتے ہیں۔ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ سے اس کا رد ہوتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اگرچہ عبادت اور بندگی

اپنے اختیار سے کرتا ہے۔ جماد کی طرح مجبور محض اور عاری من الاختیار نہیں، مگر ایسا فاعل مستقل بھی نہیں کہ اُس کی اعانت سے مستغنی ہوجائے۔ فاعل مختار ضرور ہے مگر اپنے اس خداداد اختیار میں مختار نہیں ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسکی اعانت اور امداد کا محتاج ہے۔ فافہم ذٰلک فانہ دقیق وسیأتی تفصیل ذلک انشاء اللہ تعالیٰ۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ

ہم کو راہ راست کی طرف ہدایت فرما

(۱) ہدایت کے معنی لطف اور مہربانی کے ساتھ رہنمائی کرنے کے ہیں یہی وجہ ہے کہ اس لفظ کا استعمال ہمیشہ خیر ہی کے موقع پر ہوتا ہے۔

(۲) صراط اس راستہ کو کہتے ہیں جو مستقیم (یعنی سیدھا)، اور موصل الی المقصود، اور قریب اور وسیع ہو اور مقصد تک پہنچانے کے لیے مخصوص اور متعین ہو۔ یعنی مقصد تک پہنچنے کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو۔ جب تک یہ صفات خمسہ نہ پائی جائیں اس وقت تک صراط کا اطلاق نہ ہوگا اور صراط کی صفت میں جو لفظ مستقیم کہا گیا، تو وہ اشارہ ہے اس طرف کہ وہ راستہ مقصود تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ ہے، اس لئے کہ خطوط واصلہ بین النقطتین میں سب سے مختصر اور قریب ترین خط، خط مستقیم ہی ہوتا ہے کما برهن ذٰلک فی اقلیدس، اور سیدھا ہی راستہ مقصد تک پہونچاتا ہے اور اسی ایک راستہ کا تمام عالم کے ہر دو کے لیے تا قیام قیامت کافی ہونا اسکے وسیع ہونے کی دلیل ہے، اور خدا تک پہونچنے کے لیے یہی ایک راستہ ہے اس کے سوا اور کوئی راہ نہیں۔ کما قال تعالیٰ:۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ

اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے، لہٰذا تم اس پر چلو اور دوسرے رستوں پر نہ چلو کہ وہ تم کو اس کے راستہ سے بھٹکا کر پراگندہ کردیں گے۔

صراط کو اَلَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی طرف مضاف کرنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ مقصد تک پہونچانے والا صرف یہی ایک راستہ ہے، جن جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے وہ سب اسی راستہ پر چلے ہیں

اور اہل ضلال کے راستوں سے بالکل مغایر ہے عبد اللہ بن مسعود اور عبد اللہ بن عباس اور دیگر حضرات صحابہ نے صراط مستقیم کی تفسیر دین اسلام سے کی ہے اور یہی بعض روایات مرفوعہ صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جابر بن عبد اللہ سے منقول ہے کہ صراط مستقیم سے اسلام مراد ہے جو کہ ما بین السماء والارض سے بدرجہا زائد وسیع ہے۔ محمد بن الحنفیہ فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم سے مراد اللہ کا دین ہے جس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں۔ (ابن کثیر) کما قال تعالیٰ :- وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ۔

اس آیت میں صراط کو الذین انعمت علیہم کی طرف اس لیے مضاف فرمایا کہ وہی لوگ اس پر چلنے والے ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا ہے اور آیت وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا، اور آیت وَإِنَّكَ لَتَهْدِي إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ صِرَاطِ اللَّهِ میں صراط کو اللہ کی طرف اس لیے مضاف کیا گیا کہ صراط مستقیم اسی کا قائم کیا ہوا راستہ ہے۔

چونکہ ہدایت اور استقامت کے مراتب نہایت مختلف اور متفاوت ہیں، کوئی مرتبہ ہدایت اور استقامت کا ایسا نہیں کہ اس سے اعلیٰ اور افضل مرتبہ متصور نہ ہو سکتا ہو، اور صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ اگرچہ ایک ہی ہے لیکن قرب اور بعد کے اعتبار سے اس میں بھی تفاوت ہو سکتا ہے اس لیے طلب ہدایت پر ہر شخص مامور ہے۔ طالب کو اگر ہدایت و استقامت کے بعض مراتب حاصل بھی ہوں تب بھی وہ اس سے اعلیٰ اور بہتر مراتب سے کسی طرح مستغنی نہیں ہو سکتا۔

اے برادر بے نہایت درگہیست هرچہ بروی میرسی بروے مایست

علاوہ بریں ہدایت پر قائم اور ثابت رہنے کے لیے ہر لمحہ اور ہر لحظہ اسی کی اعانت اور توفیق کی حاجت ہے جیسا کہ یا ایہا الذین آمنوا (اے ایمان والو ایمان لاؤ) میں ایمان والوں کو پھر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے اس سے اسلام پر ثابت اور مستمر رہنا مقصود ہے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی :-

يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ اے میرے بچو! اللہ نے تمہارے لیے اس دین کو پسند فرمایا ہے

إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ۔　　لہذا تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

اور اسی وجہ سے عباد مومنین کو اس دعا کی تلقین کی گئی :۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ ۔

اے ہمارے پروردگار! ہم کو ہدایت دینے کے بعد پھر ہمارے دلوں کو کجروی کی طرف مائل نہ ہونے دینا اور ہم کو اپنی طرف سے رحمت عطا کر کہ تو ہی عطا کرنے والا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ

ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے، نہ کہ ان کا جن پر

وَلَا الضَّالِّيْنَ

غضب ہوا ہے، اور نہ ان کا جو گمراہ ہیں

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ اَلَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ سے ملائکہ اور انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین مراد ہیں جن کو حق تعالیٰ نے اپنی طاعت اور عبادت کی نعمت سے سرفراز فرمایا۔ (ابن کثیر) اہل انعام کی کسی خاص نوع اور خاص قسم کو نہ ذکر کرنا بلکہ مطلق اہل انعام کے راستہ کی طرف ہدایت چاہنا۔ ایسی جامع دعا ہے کہ دنیا اور آخرت کی ہر قسم کی خیر اور فلاح کو شامل ہے۔ اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ اے اللہ ہم کو اس راستہ کی طرف رہنمائی فرما جس پر تیرے تمام انعام پانے والے بندے گزرے ہیں۔ بالفاظ دیگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ وہ الطاف و کرم اور وہ آلاء و نعم جو تو نے اپنے تمام انعام والے بندوں پر متفرقاً نازل فرمائے۔ وہ ہم پر مجتمعاً نازل فرما۔

نیز لفظ صراط کو الذین انعمت علیہم کی طرف مضاف کرنے میں سالکین راہ حق اور رہروان منزل آخرت کے لیے ایک عظیم الشان تسلیہ ہے کہ وہ سفر اور راستہ کی تنہائی سے ہرگز نہ ڈریں۔ نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین اُن کے رفیق سفر ہیں وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيْقًا۔

نیز مقام سوال میں منعم کے انعامات و احسانات کا تذکرہ۔ اجابت اور قبول میں خاص اثر رکھتا ہے۔ اسی طرح

سوال ہدایت کے وقت حق جل و علا کے انعام عام کا ذکر کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اے رب العالمین اور اے ارحم الراحمین تو نے اپنی رحمت واسعہ سے بہت سے بندوں پر ہدایت کا انعام فرمایا ہم کو بھی اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز اور اس پر استقامت نصیب فرما اور ہم گنہ گاروں کو بھی اپنے لطف عمیم سے اہل انعام کے زمرہ میں داخل فرما - آمین -

مغضوب علیھم سے وہ فریق مراد ہے جو دیدہ و دانستہ راہ راست کو چھوڑ دے اور علم صحیح کے باوجود ہوائے نفس کی پیروی میں غلط راستہ اختیار کرے - اس نوع کے کامل ترین افراد یہود بے بہبود ہیں کہ باوجود تورات کے عالم ہونے کے کتمان حق اور تکبر اور اتباع ہوئی جیسے امراض میں مبتلا ہے - ....

.... انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ہمیشہ معاندانہ رویہ رکھنا، جان بوجھ کر قتل انبیاء اللہ کے مرتکب ہوئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر ابد تک ذلت و مسکنت کی مہر لگا دی گئی غضب اور لعنت کا طوق ان کی گردن میں ڈال دیا گیا۔

من لعنہ اللہ وغضب علیہ۔

ضالین سے وہ گروہ مراد ہے جو سواء السبیل سے بھٹک کر غلط راستہ پر جا پڑا۔ اس نوع کے کامل ترین افراد نصاریٰ ہیں۔ کما قال تعالیٰ

وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ بہتوں کو گمراہ کیا اور خود سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔

یہود اور نصاریٰ کے کامل ترین افراد ہونے ہی کی وجہ سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے مغضوب علیہم کی تفسیر یہود سے اور ضالین کی تفسیر نصاریٰ سے فرمائی - اس کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ مغضوب علیھم اور ضالین کے مصداق صرف یہود اور نصاریٰ ہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان دو قسموں کے تحت میں ہر قسم کے گمراہ اور کافر اور فاسق و فاجر عاصی اور مبتدع علی اختلاف المراتب داخل ہیں۔

سلف صالحین یہ فرمایا کرتے تھے کہ اس امت کے علماء میں سے جو بگڑا وہ یہود کے مشابہ ہوا، اس لیے کہ وہ اپنی اغراض کی وجہ سے کلمات الٰہیہ کی تحریف، اور کتمان ما انزل اللہ، اور تلبیس الحق بالباطل - اور اہل علم و فضل کے حسد میں گرفتار ہوا، جو کہ یہود کے اخلاق ہیں - اور اس امت کے عباد و زہاد میں سے جو بگڑا وہ نصاریٰ کے مشابہ

ہوا اس لیے کہ اس نے اپنی عبادت میں بجائے شریعت غراء او سنت بیضا کے ہوائے نفس کا اتباع کیا اور نصاریٰ کی طرح تعظیم مشائخ میں اس درجہ غلو کیا کہ اعتقاداً نہ سہی عملاً تو ضرور ان کو رب اور ان کی قبور کو مساجد بنا لیا۔

بعض مرتبہ چونکہ نعمت ہی علم و عمل کے فساد کا باعث ہوتی ہے، اکثر عیش و تنعم ہی میں پڑ کر انسان خدا کو بھی بھول جاتا ہے، احکام الٰہی کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ اس لیے اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کے بعد غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کا اضافہ مناسب ہوا کہ اے رب العالمین اپنی نعمتوں پر حمد اور شکر کی توفیق عطا فرما۔ خدانخواستہ ایسا نہ ہو کہ تیرے انعام کے غرور اور تکبر میں مبتلا ہو کر سیدھے راستہ سے بہک جائیں اور تیری لعنت اور غضب کے مستحق بنیں۔

آیت موصوفہ میں صرف انعام کو اپنی جانب منسوب فرمایا، غضب اور ضلال کو اپنی جانب منسوب نہیں فرمایا۔ اس میں ایک لطیف اشارہ ہے۔ وہ یہ کہ انعام محض اس کا فضل ہے۔ بلا کسی استحقاق کے بندوں پر مبذول فرماتا ہے۔ مگر غضب ابتداءً نازل نہیں فرماتا بلکہ ان کی نافرمانی اور دیدہ و دانستہ عدول حکمی کے بعد۔ اور علیٰ ہذا گمراہ جب ہوتے ہیں تو صراط مستقیم کو چھوڑ کر غلط راہ اختیار کر لیتے ہیں۔ نیز ادب الٰہی کا اقتضا یہ ہے کہ جب افعال احسان و رحمت کا ذکر ہو تو صراحۃً اللہ جل جلالہ کی طرف اس کی اسناد ہونی چاہیے، اور جب افعال جزا اور عقوبت کا ذکر ہو تو پھر فاعل کا حذف اور فعل کا مبنی للمفعول لانا مناسب ہے، مثلاً ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔

اَلَّذِیْ خَلَقَنِیْ فَھُوَ یَھْدِیْنِ وَالَّذِیْ ھُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ۔

وہ جس نے مجھے پیدا کیا پھر وہی مجھے ہدایت بخشتا ہے اور وہ جو مجھ کو کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا بخشتا ہے۔

خلق اور ہدایت اور اطعام اور اسقاء، اور شفاء ان تمام افعال کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا مگر مرض کو شے مکروہ ہونے کی وجہ سے ادباً اپنی جانب منسوب کیا۔ اور یہ کہا۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَھُوَ یَشْفِیْنِ

جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا بخشتا ہے۔

یہ نہیں کہا کہ :-

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِيْنِ - اور جب وہ مجھے بیمار ڈالتا ہے تو وہی مجھے شفا بخشتا ہے

اسی طرح مؤمنین جن نے وَاَنَّا لَا نَدْرِيْ اَشَرٌّ اُرِيْدَ بِمَنْ فِي الْاَرْضِ میں ارادہ شر کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ اَرَادَهٗ رَبُّهُمْ مگر جب اَمْ اَرَادَ بِهِمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا کہا تو ارادہ رشد کو رب العزت کی جانب منسوب کیا -

علیٰ ہذا خضر علیہ السلام نے فَاَرَدْتُ اَنْ اَعِيْبَهَا (میں نے ارادہ کیا کہ کشتی کو عیب دار کر دوں) میں عیب اور ارادہ عیب دونوں کو اپنی جانب منسوب کیا مگر جب یہ کہا کہ :-

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۔ پھر تیرے رب نے ارادہ کیا کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنے رب کی رحمت سے اپنے خزانہ کو نکالیں -

تو ارادہ رحمت کو رب العالمین کی جانب منسوب کیا اور وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ (میں نے اس کو اپنی طرف سے نہیں کیا) کہہ کر اس کو اور مؤکد کر دیا اور اسی طرح اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ اور اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ میں اس خاص احلال کو چونکہ اللہ جل جلالہ کی طرف منسوب کرنا خلاف ادب تھا اس لیے دونوں جگہ اُحِلَّ کو مبنی للمفعول ذکر کیا گیا اور - اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا میں ادب ملحوظ نہ تھا اس لیے اس احلال اور تحریم کی صراحتہً اللہ کی طرف اسناد کی گئی -

نیز منعم حقیقی صرف وہی تبارک و تعالیٰ ہے - كَمَا قَالَ تَعَالٰى

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ - تمہارے پاس جو نعمت بھی ہے خدا کی طرف سے ہے

اس لیے انعام کو اللہ کی طرف منسوب کیا گیا - مگر غضب خدا کے ساتھ مخصوص نہیں - ملائکہ اور انبیاء اور عباد صالحین کی طرف سے بھی خدا کے نافرمان اور سرکش بندوں پر ہو سکتا ہے اس لئے اس کو حق تعالیٰ کی طرف منسوب نہیں کیا گیا -

نیز مَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ کے فاعل کا حذف اہل غضب کی تحقیر اور تذلیل کی طرف مشیر ہے اور فاعل انعام کی تصریح اہل انعام کی تشریف و تکریم کی طرف اشارہ کرتی ہے مثلاً کسی شخص کی نسبت یہ کہنا۔ هٰذا الذی اکرمه السُّلطان وخلع علیه (یہ وہ شخص ہے جس کو بادشاہ نے عزت دی ہے اور اسے خلعت سے سرفراز فرمایا ہے) بہ نسبت هٰذَا الَّذِیْ اُکْرِمَ وَخُلِعَ عَلَیْهِ (یہ وہ شخص ہے جس کو عزت دی گئی اور خلعت سے سرفراز کیا گیا) کے بدرجہا بلیغ ہے، اور ذکر فاعل کی وجہ سے پہلا کلام جس قدر ممدوح کی مدح وثنا اور تشریف و تکریم پر دلالت کرتا ہے دوسرا کلام اس دلالت میں اس کے پاسنگ بھی نہیں۔ نیز حذفِ فاعل کچھ اعراض اور ترکِ التفات پر دلالت کرتا ہے جو اہل غضب کے مناسب ہے اہل انعام کے مناسب نہیں، اس لیے انعام کا فاعل ذکر کیا گیا اور غضب کا فاعل حذف کیا گیا۔ اور چونکہ انعام کی ضد غضب ہے، ضلال انعام کا مقابل نہیں بلکہ رشد اور ہدایت کا مقابل ہے، اس لیے اہل انعام یعنی اَلَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ کے بعد متصلاً ہی اہل غضب یعنی غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ کا ذکر فرمایا اور اہل ضلال کو بعد میں ذکر کیا کیونکہ ایک ضد کے بعد دوسری ضد کا ذکر کلام میں ایک خاص شان اور خاص تناسب پیدا کر دیتا ہے اور اہل غضب کی تقدیم کی ایک یہ بھی وجہ ہے کہ یہود بہ نسبت نصاریٰ کے اسلام سے زیادہ دور ہیں۔ اس لیے کہ نصاریٰ نے صرف ایک نبی یعنی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی اور یہود نے دو پیغمبروں کی یعنی مسیح ابن مریم اور محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی تکذیب کی۔ حق تعالیٰ شانہ نے غیر المغضوب علیهم کو لفظ غیر کے ساتھ ذکر فرمایا اور لا کے ساتھ لا المغضوب علیهم نہیں فرمایا اس لیے کہ حرف لا فقط ماقبل کی نفی کے لیے آتا ہے اس صورت میں کلام کے یہ معنی ہوتے کہ اے اللہ ہم کو اہل انعام کا راستہ بتلا نہ کہ اہل غضب کا۔ اور لفظ غیر ماقبل کی نفی اور مغایرت دونوں پر دلالت کرتا ہے فرق اتنا ہے کہ مغایرت پر صراحۃً اور نفی ماقبل پر ضمناً اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ اے اللہ ہم کو اہل انعام کا راستہ بتلا جن کا راستہ اہل غضب اور اہل ضلال کے راستہ سے بالکل مغائر اور مباین ہے اور خود اہل انعام اور ان کا راستہ غضب اور ضلال کے شائبہ سے بالکلیہ پاک ہے اہل فہم غور کریں کہ یہ معنی بہ نسبت پہلے معنی کے کس قدر لطیف ہیں اور کیا یہ لطافت بجائے لفظ غیر کے حرف لا لانے

سے حاصل ہو سکتی ہے ؟ ہرگز نہیں۔

نیز لفظ غیر کے لانے میں ایک یہ بھی اشارہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کا یہ زعم کہ ہم ہی اہل انعام ہیں جیسے وہ کہتے تھے کہ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰہِ وَاَحِبَّآؤُہٗ ، غلط ہے بلکہ اہل انعام ان کے سوا دوسرے ہیں۔ کما قال تعالیٰ

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔

اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ میں حرف عاطف یعنی واو کے ہوتے ہوئے حرف لا کا اس لیے اضافہ فرمایا کہ اہل انعام کے راستہ کا اہل غضب اور اہل ضلال کے راستہ سے فرداً فرداً اور علیحدہ علیحدہ مغایر ہونا معلوم ہو جائے۔ وَلَا الضَّآلِّیْنَ سے اگر حرف لا کو حذف کر کے غیر المغضوب علیہم والضالین کہا جاتا تو مجموعہ فریقین کے راستہ سے اہل انعام کے راستہ کا مغائر ہونا مفہوم ہوگا۔ اہل انعام کے راستہ کا ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ مغائر ہونا معلوم نہ ہوگا اور ظاہر ہے کہ مجموع من حیث المجموع کی مغایرت ہر واحد کی مغایرت کو مستلزم نہیں۔ ہاں ہر واحد کی مغایرت مجموع من حیث المجموع کی مغایرت کو بالاولویت مستلزم ہے۔ فافھم۔

صلوٰۃ مسلمین اور صلوٰۃ نصاریٰ کا تقابل :-

کلام الٰہی کے دقائق و اسرار کا تو کون احاطہ کر سکتا ہے بڑے سے بڑے فہیم اور ذکی اور صاحب فہم ثاقب کی بھی وہاں رسائی نہیں۔ یہ مختصر سورت یعنی سورۂ فاتحہ جس کے معارف و لطائف کا ایک نمونہ ہدیۂ ناظرین کیا گیا ہے اس کے وہ اسرار و معارف جو اللہ رب العزت کے علم میں ہیں وہ تو درکنار، علماء اسلام اور حضرات مفسرین نے جو اس مختصر سورت کے حقایق و معارف بیان فرمائے ہیں ہم انہیں کے استیعاب اور استقصار سے عاجز اور درماندہ ہیں، جس کی تصدیق علماء اسلام کی تفاسیر سے بخوبی ہو سکتی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ " رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے اس ذات پاک کی کہ جس کے ہاتھ میں میری جان ہے سورۂ فاتحہ

جیسی نہ توریت میں آتاری گئی اور نہ زبور میں اور نہ انجیل میں،، (اخرجہ الترمذی وصححہ) اسی وجہ سے ہر نماز میں اس صورت کا پڑھنا لازم قرار دیا گیا۔

اسوقت ہم انجیل کی وہ عبارت ہدیہ ناظرین کرتے ہیں جس کو نصاریٰ نمازوں میں پڑھتے ہیں۔ تاکہ وہ لوگ کے موازنہ اور مقابلہ سے اہل اسلام کے ایمان اور ایقان میں اضافہ ہو اور نصاریٰ کے لیے اگر وہ خدا سے ڈریں اور غور اور فکر سے کام لیں تو ان کے لئے موجب ہدایت ہو۔

انجیل متی باب ششم آیت نہم میں ہے کہ اس طرح نماز پڑھا کرو:۔

اَبُوْنَا الَّذِیْ فِی السَّمٰوٰتِ لِیَتَقَدَّسِ اِسْمُکَ لِیَاْتِ مَلَکُوْتُکَ لِتَکُنْ مَشِیَّتُکَ

اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک ہو تیری بادشاہت آئے تیری مشیت جیسے

کَمَا فِی السَّمَاءِ عَلَی الْاَرْضِ خُبْزَنَا کَفَافَنَا اَعْطِنَا الْیَوْمَ۔ وَاغْفِرْ لَنَا۔

آسمانوں پر پوری ہوتی ہے ایسے ہی زمین پر بھی ہو ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے اور ہماری خطاؤں کو

خَطَایَانَا کَمَا نَغْفِرُ نَحْنُ لِمَنْ اَخْطَاءَ اِلَیْنَا۔ وَلَا تُدْخِلْنَا فِی التَّجَارِبِ لٰکِنْ

معاف کر جیسا کہ ہم اپنے خطاکاروں کی خطائیں معاف کرتے ہیں اور ہم کو آزمائش میں نہ ڈال بلکہ بُرائی

نَجِّنَا مِنَ الشِّرِّیْرِ۔ اٰمِیْن ۔

سے بچا۔ آمین۔ یعنی قبول فرما۔

ارباب فہم وبصیرت اگر سورۂ فاتحہ کے بعد اس عبارت پر ایک نظر ڈالیں تو ان کو بخوبی منکشف ہو جائے گا کہ اس عبارت کو سورۂ فاتحہ کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جو ثریا کو ثریٰ (خاک) سے ہے۔ بصیغۂ امر سے تقدیس اسم اور اتیان ملکوت کو طلب کرنا محض لاطائل اور تحصیل حاصل ہے۔ وہ ہمیشہ سے قدوس اور سلام اور ملیک مقتدر اور عزیز وحکیم ہے۔ اس مالک الملکوت اور قدوس حکیم کی شان میں یہ لفظ کہنا کہ چاہیئے کہ تیرا نام پاک ہو اور تیری بادشاہت آئے سراسر خلاف ادب ہے۔ اور علیٰ ہذا یہ کہنا کہ لِتَکُنْ مَشِیَّتُکَ کَمَا فِی السَّمَاءِ عَلَی الْاَرْضِ)

"دچاہیئے کہ تیری مشیت جیسے آسمان میں ہے ویسے ہی زمین میں بھی ہو" یہ بھی سراسر خلاف ادب ہے کیا اُس کی مشیت سبع سموات اور سبع ارضین میں جاری اور ساری نہیں ؟ اور کیا کوئی ذرہ اُس کی قدرت اور مشیت سے مستثنیٰ ہے ؟ حاشا وکلا ۔ بلیٰ اِنَّہٗ علیٰ کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ وَمَا تَشَاءُوْنَ اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔

اور علیٰ ہذا آج کی روٹی کے سوال کو ہدایت اور صراط مستقیم کے سوال سے جو دنیا اور آخرت کی صلاح اور فلاح اور سعادت دارین کو علیٰ وجہ الاتم شامل ہے ، کیا نسبت ؟ اور پھر اُس غفور رحیم اور لیس کمثلہ شیئ سے یہ سوال کرنا کہ ایسی مغفرت عطا فرما کہ جیسی ہم اپنے گنہ گاروں اور خطا کاروں کی مغفرت کرتے ہیں ، کھلی ہوئی سفاہت اور صریح گستاخی ہے ۔ اُس کی کامل عظیم اور وسیع وعمیم مغفرت کو اپنی ناقص اور محدود اور برائے نام مغفرت کے ساتھ تشبیہ دینا اور در پردہ اپنے خطا کاروں کو خدا کے خطا کاروں کے مماثل اور ضمناً اپنی نافرمانی کو خدا کی نافرمانی کے ہم پلہ قرار دینا کیا یہ کھلی ہوئی گستاخی نہیں ۔ اُس رب العالمین اور اُس خلّاق منّان کے تمام آلاء و نعم میں سے صرف آج کی روٹی کا سوال کرنا اور اُس رب غفور اور ارحم الراحمین سے اپنی ناقص اور محدود مغفرت کے مماثل مغفرت طلب کرنا مدعی کے فہم وفراست کو خوب واضح کرتا ہے ۔

سینیر ۸۶ جونیر ۱۱

فضل ونٹن پن

نیا اسٹاک آچکا ہے

خوبصورت اور پائیدار قیمت واجبی خریدنے میں عجلت کیجئے ۔ سامان اسٹیشنری و کاغذ وغیرہ خط وکتابت سے طلب فرمائیے

فدا علی محمد علی جنرل اسٹیشنری مرچنٹ پتھر گٹی فون ۶۶۵ حیدرآباد دکن